اھل کتاب
مسلمانوں کے لیے نمونۂ عبرت

(۲)

محمد رضی الاسلام ندوی

دنیا طلبی اور حرص

یہود دنیاداری اور عیش کوشی میں اتنے غرق ہو گئے تھے کہ ان کے درمیان سے حرام وحلال کی تمیز اٹھ گئی تھی۔ مال و دولت کی حرص نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ سودی کاروبار عروج پر تھا اور معاملاتِ زندگی میں انہماک کی بنا پر وہ فکر آخرت سے بے پروا ہو گئے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ڈرایا کہ کہیں وہ بھی دنیا کی رنگینیوں میں الجھ کر آخرت سے غافل نہ ہو جائیں اور پھر ان کا انجام بھی ہلاکت ہو۔ آپؐ نے فرمایا :

واللّٰہ ما الفقر اخشی علیکم	اللہ کی قسم مجھے فقر کی صورت میں تمہارے
ولکن اخشی ان تبسط علیکم	بارے میں کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ بلکہ اندیشہ
الدنیا کما بسطت علی	اس بات کا ہے کہ تمہارے سامنے دنیا آجائے
من قبلکم فتنافسوھا	جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں کے سامنے
کما تنافسوھا وتھلککم	آگئی تھی اور تم بھی اسے حاصل کرنے کے
کما اھلکتھم [1]	لیے اسی طرح ایک دوسرے سے آگے بڑھنے
	کی کوشش کرو جس طرح تم سے پہلے کے لوگ
	کرتے تھے اور اس کے نتیجے میں تمہارا انجام بھی
	ہلاکت ہو جس طرح تم سے پہلے کے لوگ ہلاک ہو گئے۔

[1] صحیح بخاری کتاب المغازی باب بدون ترجمہ، صحیح مسلم کتاب الزہد فصل لاینبغی التنافس فی الدنیا وجہہا۔

ایک دوسری روایت کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں :

وانی واللہ ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی[1]	اللہ کی قسم مجھے تمہارے بارے میں اس چیز کا اندیشہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے۔

ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں :

ولکن اخشی علیکم ان تنافسوا فیہا وتقتتلوا فتہلکوا کما ہلک من کان قبلکم[2]	لیکن مجھے تمہارے بارے میں اس چیز کا اندیشہ ضرور ہے کہ تم دنیا طلبی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگو گے۔ یہاں تک کہ جنگ وجدال کی نوبت آجائے گی۔ اس طرح تم ہلاک ہوجاؤ گے جس طرح تم سے پہلے کے لوگ ہلاک ہوئے۔

کتب احادیث میں بکثرت ایسی روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ اندیشہ اس بات کا تھا کہ کہیں مال ودولت کی فراوانی ان کی نگاہوں کو خیرہ نہ کردے اور وہ دنیا طلبی میں محو ہو کر اپنے فریضۂ منصبی سے غافل ہو جائیں۔ آپؐ نے فرمایا :

ان لکل امۃ فتنۃ، وفتنۃ امتی المال[3]	ہر امت کسی نہ کسی فتنہ میں مبتلا ہوئی ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ان ممّا اخاف علیکم بعدی مایفتح علیکم	مجھے اپنے بعد تمہارے بارے میں جس چیز کا اندیشہ ہے وہ یہ کہ دنیا اپنی رعنائیوں اور

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب اثبات حوض نبینا صلی اللہ علیہ وسلم۔
[2] صحیح مسلم، حوالۂ سابق۔
[3] جامع ترمذی۔ ابواب الزہد۔ باب ماجاء ان فتنۃ ہذہ الامۃ فی المال۔

من زھرۃ الدنیا و زینتھا[1]	رنگینیوں کے ساتھ تمہارے سامنے آجائیگی۔

آپؐ نے انھیں حرص و طمع کی خطرناکیوں سے آگاہ کرتے ہوئے متنبہ کیا کہ اسی دام میں گرفتار ہونے کی وجہ سے تم سے پہلے کے لوگ ہلاک اور برباد ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تو فرمایا:۔

ایاکم و الشح و انما ھلک	حرص سے بچو اس لیے کہ تم سے پہلے کے
من کان قبلکم بالشح	لوگ حرص ہی کی بنا پر ہلاک ہوئے۔ اس
امرھم بالبخل فبخلوا	نے انھیں بخل پر آمادہ کیا تو انھوں نے
و امرھم بالقطیعۃ فقطعوا	بخل سے کام لیا۔ اس نے انھیں قطع رحمی
و امرھم بالفجور ففجروا[2]	پر اکسایا تو انھوں نے قطع رحمی کی۔ اس
	نے انھیں بدکاری میں مبتلا کیا تو وہ
	بدکاری میں جا پڑے۔

سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو خطاب کرتے ہوئے ان کے سامنے اہلِ کتاب کے بعض جرائم بیان کیے مثلاً یہ کہ وہ لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں اور انھیں اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ پھر فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ	دردناک سزا کی خوش خبری دو ان
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا	کو جو سونے اور چاندی جمع کرکے رکھتے
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ	ہیں اور انھیں خدا کی راہ میں خرچ
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبہ: ۳۴)	نہیں کرتے۔

آیت کے اس ٹکڑے کے بارے میں بعض صحابہ کا خیال تھا کہ یہ بھی اہلِ کتاب کے سیاق میں ہے۔ حضرت معاویہؓ فرماتے تھے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نہیں ہے بلکہ اس میں اہلِ کتاب کا تذکرہ ہے۔ اس کے برخلاف چونکہ اس کا اسلوب بیان عام ہے اس لیے حضرت ابوذر غفاریؓ کا خیال تھا کہ اس کے مخاطب اہلِ کتاب

---

[1] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب التحذیر من الاغترار بزینۃ الدنیا۔

[2] سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی الشح، مسند احمد ۲/ ۳۲۳ وغیرہ۔

اوراہل ایمان دونوں ہیں۔چنانچہ انھوں نے مال و دولت کی فراوانی سے بے زاری کا اظہار کرنے کے لیے شام کے متمدن علاقے سے نقل مکانی کرکے ربذہ نامی بدوی علاقہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔[1]

معاشرتی فساد

اللہ تعالیٰ نے معاشرتی زندگی کے کچھ آداب مقرر کیے ہیں۔اگران کی رعایت نہ کی جائے اور آدمی شتر بے مہار بن جائے تومعاشرہ فتنہ و فساد کی آماجگاہ ہوجائے گا۔خاص طورپرعورت کے ذریعہ معاشرہ میں برپاہونے والا فتنہ شدید تر ہوتا ہے۔اگرعورتیں اپنے حدود اور دائرہ کار سے باہر نکل جائیں،ناجائز زیب وزینت اختیارکرکے مردوں کی جنسی خواہش کو بھڑکائیں اور مرد جنسی تسکین کی خاطر غلط ہتھکنڈے اختیار کرنا شروع کردیں توظاہر ہے خاندانی نظام کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی اور معاشرہ کی پوری عمارت زمیں بوس ہوجائے گی یہود بھی کچھ اسی قسم کی بے اعتدالیوں کا شکار ہوئے۔وہ دنیا داری میں ایسے غرق ہوئے کہ ان کے درمیان حلال وحرام کی تمیز اٹھ گئی۔اور"عورتوں کے فتنہ" کی وجہ سے ان میں دیگر معاشرتی برائیاں درآئیں۔اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت واضح الفاظ میں اپنی امت کواس فتنہ سے ہوشیار کیا ہے اور دنیا کی رنگینیوں سے بچتے ہوئے اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہنے اور آخرت کی فکر کرنے کی تاکید کی ہے۔حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

ان الدنیا حلوۃ خضرۃ وان اللہ سبحانہ مستخلفکم فیھا فینظر کیف تعملون؟ فاتقوا الدنیا واتقوا النساء، فان اول فتنۃ بنی اسرائیل کانت فی النساء[2]	دنیا بڑی لذت بخش اور جاذب نظر ہے۔اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس میں خلیفہ بنایا ہے تاکہ دیکھے تم کیسے کام کرتے ہو اس لیے دنیاداری سے بچو اور عورتوں کے فتنے میں نہ پڑو۔بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ عورتوں ہی کی وجہ سے برپا ہوا تھا۔

[1] صحیح بخاری۔کتاب التفسیر۔سورۂ توبہ باب قولہ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ...الخ

[2] صحیح مسلم۔کتاب الذکر۔باب الفتنۃ بالنساء۔

وہ پہلا فتنہ کیا تھا جس میں بنی اسرائیل عورتوں کی وجہ سے مبتلا ہوئے؟ بعض روایتوں سے اس پر روشنی پڑتی ہے۔ اس سلسلہ میں سدی سے ایک روایت منقول ہے کہ "بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت مال دار تھا۔ اس کی صرف ایک بیٹی تھی۔ اس کا ایک بھتیجا تھا جو غریب تھا۔ اس نے اپنی چچازاد بہن سے رشتہ کا پیغام دیا، مگر اس کے چچا نے اسے نامنظور کر دیا۔ طیش میں آکر اس نوجوان نے اپنے چچا کو قتل کر دیا اور لاش ویرانے میں ڈال دی۔ باوجود تحقیق بسیار کے قاتل کا پتہ نہ چل پا رہا تھا۔ اس پر اللہ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ہدایت کی کہ ایک مخصوص قسم کی گائے ذبح کرکے اس کے ایک حصہ کو مقتول کی لاش سے چھوائیں تو معجزۂ الٰہی سے وہ مردہ زندہ ہو کر قاتل کا پتہ بتا دے گا[1] واللہ اعلم

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنہ کو اپنی امت کے لیے بھی انتہائی خطرناک قرار دیا ہے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

ما ترکت بعدی فتنۃ ھی	میرے بعد مردوں کے لیے ضرر رساں
أضرّ علی الرجال من النساء[2]	عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں ہے۔

اسی طرح عورتیں جب مصنوعی زیب وزینت اختیار کرنے لگیں اور اس معاملہ میں غلو کی حد تک پہنچ جائیں اور شرم وحیا، پردہ اور دیگر معاشرتی آداب کو بالائے طاق رکھ دیں تو معاشرہ میں جنسی ہیجان برپا ہونے کے زیادہ امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اہل کتاب اسی بے راہ روی کا شکار ہوئے۔ اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو زیب وزینت کے سلسلہ میں اسلامی حدود اور تعلیمات کا لحاظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو اپنے بالوں میں مصنوعی بال لگا کر انھیں لمبا کرتی ہیں[3]۔ حضرت معاویہؓ نے ایک مرتبہ حج کے موقع پر خطبہ دیا۔ انھوں نے ہاتھ میں بالوں کی ایک چوٹی لے کر فرمایا:

---

[1] تفسیر طبری (جدید ایڈیشن) ۲/۱۸۵-۱۸۶، تفسیر ابن کثیر ۱/۱۰۹۔

[2] صحیح مسلم۔ کتاب الذکر باب الفتنۃ بالنساء۔

[3] صحیح بخاری۔ کتاب اللباس۔ باب الموصولۃ۔

"اے اہلِ مدینہ۔ تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے خود سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرنے سے (یعنی مصنوعی بال لگانے سے) منع کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے:

انما ھلکت بنو اسرائیل	بنی اسرائیل اس وقت ہلاک ہوئے جب
حین اتخذ ھذہ نساءھم[1]	ان کی عورتوں نے یہ چیز اختیار کرلی تھی۔

مصنوعی بالوں کا استعمال ناجائز زیب وزینت کا ایک مظہر ہے۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ تزئین کے وہ تمام طریقے ناجائز ہیں جن سے اسلامی شریعت میں نہی وارد ہوئی ہے۔

قبروں کو سجدہ گاہ بنانا

اہلِ کتاب نے ایک بدعت یہ ایجاد کرلی تھی کہ جب ان کے درمیان کسی نبی، ولی یا بزرگ کا انتقال ہوتا تو اس کی قبر پر عبادت گاہ تعمیر کرلیتے اور اس کے مجسمے بنالیتے۔ اس جرم کا ارتکاب یہود نے بھی کیا اور نصاریٰ بھی اس میں بری طرح ملوث ہوئے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے چند صدیوں بعد ان میں اولیاء پرستی اور قبر پرستی زور پکڑ چکی تھی اور حضرت عیسیٰؑ، حضرت مریمؑ اور حواریوں کے مجسمے تراش کر انھیں گرجا گھروں میں نصب کرلیا گیا تھا۔ تقریباً پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں اصحاب کہف کی بیداری کا واقعہ پیش آیا۔ اس معجزاتی واقعہ کو بعث بعد الموت اور امکانِ آخرت پر دلیل بنانے کے بجائے اس وقت کے عیسائی حکمرانوں نے جو شرک کے علمبردار بنے ہوئے تھے، قبر پرستی کے لیے موقع غنیمت جانا اور فیصلہ کرلیا کہ اصحاب کہف کا مقبرہ تعمیر کرکے اسے عبادت گاہ بنا دیا جائے گا۔ قرآن ان کا تذکرہ یوں کرتا ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ	جو لوگ ان کے معاملات پر غالب تھے انھوں
لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا	نے کہا: ہم تو ان پر ایک عبادت گاہ
(الکہف: ۲۱)	بنائیں گے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو سابقہ امتوں کی اس گمراہی سے باخبر کیا اور انھیں متنبہ کیا کہ کہیں وہ بھی اس گمراہی کا شکار نہ ہوجائیں۔ آپؐ نے دوٹوک الفاظ میں ارشاد فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب اللباس باب الوصل فی الشعر، صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب تحریم فعل الواصلۃ۔

الا وان من کان قبلکم	خبردار، تم سے پہلے کے لوگ اپنے انبیاء اور
کانوا یتخذون قبور انبیائهم	صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیتے تھے۔
وصالحیهم مساجد الا فلا تتخذوا	خبردار تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنالینا میں تمہیں
القبور مساجد انی انهاکم عن ذلک[1]	ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں یہ معاملہ اس قدر اہمیت کا حامل تھا کہ آپ نے اپنے مرض وفات میں بھی صحابہ کو اس سلسلہ میں متنبہ کیا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ پر جب اضطرابی کیفیت طاری تھی۔ کبھی روئے مبارک کو چادر سے ڈھک رہے تھے اور کبھی ہٹا رہے تھے۔ اس عالم میں آپؐ نے فرمایا:

لعنة الله على اليهود والنصارى	یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو انھوں
اتخذوا قبور انبیائهم مساجد[2]	نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

حضرت عائشہؓ اس کی تشریح میں فرماتی ہیں کہ یہ ارشاد فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ جس چیز کا ارتکاب یہود ونصاریٰ نے کیا تھا ویسا کرنے سے آپ اپنی امت کو ڈرا رہے تھے[3]۔ دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر آپ کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیے جانے کا ڈر نہ ہوتا تو اسے کچھ نمایاں کردیا جاتا[4]۔

انبیاء کی قبروں کے مثل ان کے دیگر آثار کو بھی اہل کتاب متبرک سمجھ کر انھیں جائے عبادت بنا لیتے تھے۔ اندیشہ تھا کہ کہیں مسلمانوں کی جانب سے بھی ان کے سلسلے میں غلو کا مظاہرہ نہ ہونے لگے۔ اسی لیے اسلامی شریعت کے رمز شناس خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں ایسا کرنے سے سختی سے منع کردیا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے لوگوں کو ایک سمت میں جاتے دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کا قصد ایک مسجد کی طرف ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی۔ بطور تبرک وہ اس میں نماز ادا کرنے جارہے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب المساجد باب النہی عن بناء المسجد علی القبور...الخ

[2] صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ باب بدون ترجمہ، صحیح مسلم حوالۂ سابق۔

[3] صحیح بخاری وصحیح مسلم حوالہ سابق۔

[4] صحیح بخاری، کتاب المغازی باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ، صحیح مسلم حوالہ سابق۔

"تم سے پہلے کے لوگ ایسا ہی کرنے پر ہلاک ہوئے۔ وہ اپنے انبیاء کے آثار کو متبرک جان کر ان کا قصد کرتے تھے اور ان پر خانقاہیں اور گرجے تعمیر کر لیتے تھے۔ لہٰذا تم میں سے کوئی اگر ان مساجد کے پاس پہنچے اور کسی نماز کا وقت ہو جائے تب تو ان میں نماز ادا کرلے۔ ورنہ آگے بڑھ جائے، ادائگی نماز کے لیے عمداً ان کا قصد نہ کرے"[۱]

جس درخت کے نیچے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعتِ رضوان لی تھی، صحابہ کرامؓ کے درمیان اس کا بہت شہرہ تھا اور وہ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس لیے کہ اس کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ لوگ بالقصد وہاں جاتے ہیں اور اس کے پاس نماز ادا کرتے ہیں تو آپ نے ایسا کرنے پر انھیں سخت تنبیہ فرمائی اور اسے کاٹ دیئے جانے کا حکم دے دیا[۲]

امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے غفلت

احکامِ شریعت سے واقفیت اور ان پر عمل کے سلسلہ میں اہلِ کتاب دو طبقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اُن کی اکثریت علم سے بے بہرہ اور دین سے دور تھی۔ اس نے اپنی جانب سے چند رسوم و رواج گھڑ کر انھیں دین کا نام دے رکھا تھا اور ان سے سختی سے چمٹی ہوئی تھی۔ (البقرہ: ۷۸) دوسری جانب ان کے علماء اپنے فریضۂ منصبی کی ادائیگی میں سنجیدہ نہ تھے۔ ایک طرف تو وہ انھیں اچھائیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے منع کرتے۔ دوسری طرف خود ان کی زندگیاں اس کے برعکس نمونہ پیش کرتیں (البقرہ: ۴۴) مزید برآں ان کے مخاطبین ان کی دعوت کا مطلق اثر نہ لیتے۔ پھر بھی ان میں کچھ اضطراب پیدا نہ ہوتا۔ وہ حسب سابق ان کے ساتھ گھلے ملے رہتے۔ ان دو اسباب کی بنا پر بالآخر انھوں نے برائیوں پر ٹوکنا ہی بند کر دیا تھا یہی نہیں بلکہ ان ہم نشینوں کی صحبت کے نتیجے میں وہ برائیاں ان میں بھی در آئی تھیں۔ بالآخر اپنے اسی

۱؎ مصنف عبدالرزاق۔ المکتب الاسلامی بیروت ۱۱۸/۲، کنز العمال، علی متقی ہندی۔ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد طبع دوم ۱۹۷۰ء ۱۴۰/۱، فتح الباری۔ ابن حجر۔ دار المعرفۃ بیروت ۵۶۹/۱

۲؎ طبقات ابن سعد، دار صادر بیروت ۱۰۰/۲-۳۲

رویہ کی بنا پر وہ ملعون قرار پائے۔ (المائدہ: ۷۸-۷۹)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو خبردار کیا ہے کہ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ سے غفلت نہ برتیں۔ ورنہ عین ممکن ہے کہ وہ بھی اسی انجام سے دوچار ہوں جس سے ان سے پہلے کے لوگ دوچار ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "جب بنو اسرائیل معاصی میں مبتلا ہوئے تو ان کے علماء نے انھیں روکا۔ لیکن وہ لوگ باز نہ آئے۔ اس کے باوجود وہ علماء ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھانے پینے میں شریک رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (سختی اور قبولیت حق سے دوری کے اعتبار سے) سب کے دل یکساں کر دیے اور داؤدؑ اور عیسیٰؑ بن مریم کی زبانی ان پر لعنت بھیجی۔ اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ (المائدہ: ۷۸، کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے) اس وقت آپؐ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: نہیں (یعنی تم لوگ اس وقت تک اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے یا اس وقت تک عذاب سے بچ نہیں سکتے) جب تک کہ (ظالموں اور فاسقوں کو) حق کی طرف پھیرنے کی پوری کوشش نہ کرو"[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔

کلّا واللہ لتامرنّ بالمعروف ولتنہونّ عن المنکر ولتاخذنّ علی یدی الظالم ولتاطرنّہ علی الحق اطرا اولتقصرنّہ علی الحق قصرًا او لیضربنّ اللہ بقلوب بعضکم علی بعض ثم لیلعننکم کما لعنہم[2]	ہرگز نہیں اللہ کی قسم، تم لوگ نیکی کا حکم دو، برائی سے روکو، ظالم کا ہاتھ پکڑو، اسے حق کی طرف موڑ دو (یا فرمایا بزور قوت اسے حق پر قائم رکھو) ورنہ اللہ تعالیٰ تم سب کے دل ایک جیسے کر دے گا پھر تم پر لعنت بھیجے گا جس طرح اس نے تم سے پہلے کے لوگوں پر لعنت کی۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ نے ایک مرتبہ خطبہ دیا تو اہل کتاب کے اسی رویے سے

---

[1] جامع ترمذی، ابواب التفسیر سورۂ مائدہ۔

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم باب الامر والنہی۔ روایت ابن مسعودؓ۔

ڈراتے ہوئے اس سے بچنے کی تاکید کی۔ فرمایا: "لوگو تم سے پہلے کے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ وہ معاصی کا ارتکاب کرتے تھے اور ان کے علما، اور فقہا، انھیں ان کاموں سے نہیں روکتے تھے۔ بالآخر جب وہ معاصی میں غرق ہو گئے تو سب لوگ سزاؤں میں گرفتار ہوئے۔ اس لیے اچھائیوں کا حکم دو اور برائیوں سے روکو۔ قبل اس کے کہ تمہارا بھی وہی انجام ہو جو ان لوگوں کا ہوا۔ جان لو کہ نیکیوں کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے سے نہ کوئی رزق سے محروم ہوتا ہے نہ کسی کی موت جلدی آجاتی ہے۔"[1]

کتمانِ علم

اہل کتاب سے پختہ عہد لیا گیا تھا کہ انھیں جن تعلیمات کا امین بنایا گیا ہے انھیں لوگوں میں عام کریں گے اور چھپا کر نہیں رکھیں گے۔ لیکن انھوں نے اس عہد کو پسِ پشت ڈال دیا اور دنیا کے حقیر فائدوں کی خاطر اسے قربان کر دیا[2] (آل عمران ۔ ۱۸۷) چنانچہ جن تعلیمات کی زد ان کے مفادات پر پڑتی تھی یا جو ان کی مرضی کے خلاف تھیں انھیں وہ چھپا لیتے تھے۔ عہد نبوی میں یہودیوں کے درمیان پیش آنے والا زنا کا واقعہ (جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے) اس کا بین ثبوت ہے۔ اسی طرح ان کی کتابوں میں آخری نبی کی پیشین گوئیاں بصراحت مذکور تھیں مگر اس کے ظہور کے بعد وہ نہ صرف یہ کہ اس پر ایمان نہیں لائے بلکہ ان پیشین گوئیوں کو بھی چھپائے رکھا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس جرم کے ارتکاب سے بتاکید منع کیا ہے۔ آپ نے ان لوگوں کے بارے میں سخت وعید سنائی ہے جو علم رکھنے کے باوجود اسے چھپاتے ہیں۔ یا اس کے ذریعہ دنیاوی منافع حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

من سئل عن علم فکتمہ	جس سے کسی چیز کے بارے میں دریافت
الجم یوم القیامۃ بلجام	کیا جائے اور وہ اسے چھپائے تو قیامت

---

[1] تفسیر ابن کثیر ۲/۲/۷

[2] تورات اور انجیل دونوں میں اس عہد کے اشارے ملتے ہیں مثلاً دیکھئے کتاب استثناء باب ۴۔ ۹ باب ۱۱ ۱۸۔ ۲۱، انجیل متی باب ۱ ۲۷۔

من نار ۱؎ — میں اس کے منہ میں آگ کی لگام ہوگی۔

دوسری روایت، جو حضرت ابوہریرہؓ ہی سے مروی ہے، یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من تعلّم علماً مما یبتغی	جس نے کوئی ایسا علم حاصل کیا جس سے
بہ وجہ اللہ، لایتعلمہ الا	اللہ کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہو
لیصیب بہ عرضاً من الدنیا	مگر وہ اس کے ذریعہ دنیا کمانے میں لگ
لم یجد عرف الجنۃ یوم	جائے تو وہ قیامت میں جنت کی خوشبو
القیامۃ ۲؎	سے بھی محروم ہوگا۔

حضرت قتادہؒ نے سورۂ آل عمران آیت ۱۸۷ (جس کا حوالہ اوپر گزرا) کی تفسیر میں لکھا ہے:

"یہ اللہ تعالیٰ کا عہد ہے جو اس نے اہلِ علم سے لیا ہے۔ اس لیے جو شخص کچھ بھی علم رکھتا ہے اسے ضرور دوسروں کو اس کی تعلیم دینی چاہیے۔ کتمانِ علم سے بچو اس لیے کہ وہ موجب ہلاکت ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس دین کے کسی مسئلہ کا علم نہیں ہے تو اپنی طرف سے گھڑ نہ لے ورنہ وہ دین کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا۔ مثل مشہور ہے: جس علم کا اظہار نہ ہو وہ ایسے خزانہ کے مثل ہے جس میں سے خرچ نہ کیا گیا ہو اور جو حکمت عیاں نہ ہو اس کی مثال ایسے بت کی سی ہے جو چپ چاپ کھڑا ہو۔ نہ کھاتا ہو نہ پیتا ہو"۳؎

علامہ ابن کثیر مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس آیت میں علماء کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ اہلِ کتاب کا سا رویہ اختیار نہ کریں ورنہ وہ بھی اسی انجام سے دوچار ہوں گے جس کا اہلِ کتاب شکار

۱؎ سنن ابی داؤد۔ کتاب العلم باب کراہیۃ منع العلم، جامع ترمذی ابواب العلم، باب ما جاء فی کتمان العلم۔
۲؎ سنن ابی داؤد کتاب العلم باب فی طلب العلم لغیر اللہ، سنن ابن ماجہ، مقدمہ، باب الانتفاع بالعلم والعمل بہ۔
۳؎ تفسیر طبری (جدید ایڈیشن) ۴۶۱/۷

ہوئے اور ان کا بھی انہی جیسا حشر ہوگا۔ بلکہ ان پر الزام ہے کہ وہ جو کچھ
علمِ نافع رکھتے ہیں جس سے کہ عمل صالح کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔
اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچائیں اور اس میں سے کچھ بھی چھپا کر نہ رکھیں
ایک حدیث میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد طرق سے مروی ہے۔
آپؐ نے فرمایا ہے: "جس شخص سے کوئی بات پوچھی گئی اور اسے اس
نے چھپایا تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ہوگی"[۱]

تشبّہ

مسلمانوں کو ایک طرف تو ان رویوں سے بچنے کا حکم دیا گیا جو اہلِ کتاب اپنے انبیاء کی دعوت کے سلسلہ میں اختیار کرتے تھے۔ نیز ان برائیوں اور بداعمالیوں سے اجتناب کی تاکید کی گئی جن میں وہ مبتلا ہو گئے تھے۔ دوسری طرف انھیں ان افعال سے بھی روک دیا گیا جن کی وجہ سے اہلِ کتاب سے مشابہت لازم آتی تھی اور ان کی مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا۔ رہے وہ اعمال جو دونوں شریعتوں میں مشروع تھے ان کے سلسلہ میں بھی ایسا حکم دیا گیا کہ مشابہت ختم ہو جائے علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے:

"اہلِ کتاب سے مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے۔ اللہ اور رسول نے ان کی مخالفت کو مشروع قرار دیا ہے۔ بعض معاملات میں ان کی مخالفت واجب ہے اور بعض میں مستحب۔ یہ حکم تمام افعال کے سلسلہ میں ہے خواہ ان میں مشابہت مقصود ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو۔ اسی طرح یہ ممانعت ہر حال میں ہے خواہ ان افعال کو مشابہت کی نیت سے کیا جائے یا اس کے بغیر۔ اس لیے کہ بیشتر اعمال میں مسلمانوں کی نیت اہلِ کتاب سے مشابہت کی نہیں ہوتی تھی۔ پھر بھی انھیں ان سے منع کر دیا گیا۔ اسی طرح بعض اعمال ایسے ہیں جن میں مشابہت کی نیت کا تصور نہیں کیا جا سکتا

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ۱/۴۳۶۔ علامہ زمخشریؒ نے بھی اسی سے ملتی جلتی بات کہی ہے۔ دیکھئے الکشاف مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہٗ مصر ۱/۴۸۶۔

مثلاً بالوں کا سفید ہونا یا مونچھوں کا لمبا ہونا وغیرہ۔ اس کے باوجود ان میں مخالفت کو مشروع قرار دیا گیا۔"[1]

اہلِ کتاب سے تشبّہ کی نہی کا مقصد محض مخالفت برائے مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ وہ متعدد حکمتوں پر مبنی ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ جو اسرار شریعت کے بڑے ماہرین اور دین کے رمز آشنا لوگوں میں سے تھے۔ انھوں نے اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ ان کی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم، مخالفۃ اصحاب الجحیم پوری اسی موضوع پر ہے۔ اس میں انھوں نے اہلِ کتاب کی مخالفت کے مظاہر اور اس کی حکمتوں پر بالاستیعاب روشنی ڈالی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکمت یعنی سنت اور مخصوص شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اس کا تقاضا تھا کہ ان کے لیے ایسے اقوال وافعال مشروع کیے جائیں جو مغضوب علیہم (یہود) اور ضالین (نصاریٰ) کے طریقے سے مختلف ہوں اور ظاہری اعمال میں ان کی مخالفت کا حکم دیا جائے۔ ان کی مخالفت کے کئی اسباب ہیں:

اول: ظاہری اعمال میں مشارکت سے باہم مشابہ افراد کے درمیان مناسبت اور ہم آہنگی پائی جانے لگتی ہے اور ان کے اخلاق اور اعمال میں بھی یکسانیت آنے لگتی ہے۔ یہ چیز بیّن ہے۔ مثلاً اہلِ علم کی طرح کا لباس پہننے والا شخص اپنے دل میں ان کی طرف نسبت محسوس کرتا ہے اسی طرح فوجیوں جیسا لباس پہننے والا شخص انہی جیسے کردار کا مظاہرہ کرنے لگتا ہے اور اس کا مزاج بھی انہی کی طرح کا بن جاتا ہے۔

دوم: ظاہری اعمال میں مخالفت سے افتراق اور علیٰحدگی لازم آتی ہے۔ اس طرح آدمی غضب الٰہی کے موجبات اور گمراہی کے اسباب سے محفوظ ہوجاتا ہے اور ہدایت اور رضائے الٰہی سے بہرہ ور گروہ میں شامل ہوجاتا ہے۔ آدمی کا دل جتنا زیادہ زندگی سے بھرپور اور حقیقی اسلام —

---

[1] اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۴۲۰

ظاہری اور بناوٹی اسلام نہیں جس میں محض چند روایتی عقائد کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور بس ــــ کی معرفت رکھتا ہوگا اتنا ہی اسے ظاہری و باطنی اعتبار سے یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا احساس ہوگا اور اتنا ہی وہ ان کے اخلاق سے ــــ جن میں سے بیشتر آج کے مسلمانوں میں پائے جانے لگے ہیں ــــ دور ہوگا۔

سوم: ظاہری اعمال میں مشارکت سے ظاہری اختلاط لازم آئے گا اور اس طرح ہدایت یافتہ گروہ اور غضب الٰہی کے مستحق اور گمراہ گروہوں کے درمیان بظاہر کوئی فرق نہ رہے گا۔

ان کے علاوہ بھی متعدد حکمتیں ہیں۔ یہ تو اس صورت میں ہے جب ظاہری اعمال مباح ہوں۔ لیکن اگر وہ اعمال کفریہ ہوں تو ان میں ان کی مشابہت و موافقت گویا ان کی گمراہی اور معصیت میں موافقت ہے[1]۔

ان حکمتوں کے پیش نظر زندگی کے مختلف معاملات میں مسلمانوں کو یہود سے مختلف طرزِ عمل اختیار کرنے اور ان کی مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا۔ یا اگر بعض چیزیں ایسی مشروع کی گئیں جو یہود کے یہاں بھی مشروع تھیں تو ان میں کچھ تبدیلی کر دی گئی تاکہ اسلامی شریعت کا امتیاز باقی رہے۔ ذیل میں اختلاف کے چند مظاہر کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

ا۔ مخصوص تعبیرات

عہد نبوی میں بعض یہود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے مگر ان کا مقصد محض یہ ہوتا تھا کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے بارے میں اپنے دلوں کی بھڑاس نکالیں اور سیدھے سادھے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ وہ ان مجلسوں میں حاضر ہو کر ذو معنی الفاظ بولتے تاکہ ایک طرف ان کی گرفت بھی نہ کی جا سکے اور دوسری طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استہزا اور طنز کا مقصد بھی حاصل ہو سکے۔ اس کے لیے وہ کیا حرکتیں کرتے تھے قرآن نے اس پر بھی روشنی ڈالی

---

[1] اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۷۹-۸۰

ہے۔ مثلاً وہ زور سے سَمِعْنَا (ہم نے سنا) کہتے اور ساتھ ہی آہستہ سے 'عَصَیْنَا' (مگر مانیں گے نہیں) بھی کہہ دیتے تھے۔ یا کہتے تو تھے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (ہم نے سنا اور اطاعت کی) مگر 'اَطَعْنَا' کو زبان لچکا کر اس طرح ادا کرتے کہ وہ 'عَصَیْنَا' ہو جاتا تھا۔ اسی طرح وہ کبھی کہتے اِسْمَعْ (سنیے) اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتے "غَیْرَ مُسْمَعٍ" یہ بھی ذو معنی لفظ ہے۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ آپ کو کوئی بات خلاف مرضی نہیں سنائی جا سکتی۔ مگر دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم اس قابل نہیں کہ کوئی تمہیں کچھ سنائے یا یہ کہ اللہ کرے تم بہرے ہو جاؤ، کبھی کہتے "رَاعِنَا" اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ 'ہماری رعایت فرمائیے' مگر دوسرا مطلب ہے 'اسے صاحب رعونت اور جاہل واحمق' اور اگر 'ع' کو دبا کر اور زبان لچکا کر پڑھا جائے تو وہ راعینا بن جاتا ہے اور اس کے معنی ہو جاتے ہیں 'ہمارے چرواہے' قرآن کہتا ہے کہ زبان کو لچکا کر یہ باتیں وہ اس مقصد سے کہتے تھے تاکہ دین پر طعن کر سکیں۔ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استہزاء اور طنز خود دین پر طعن کے مترادف ہے۔ ان کے اسی کفریہ رویہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت بھیجی اور انھیں ایمان کی دولت سے محروم کر دیا (النساء۔ ۴۶)

اسی لیے مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ مجالس نبوی میں ایسے الفاظ استعمال نہ کریں جن کے معانی تو ٹھیک تھے مگر انھیں یہودی اپنے گھناؤنے مقاصد کی تکمیل اور اپنے دلوں کی بھڑاس نکالنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ ان سے کہا گیا:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو، 'راعنا' نہ کہا
رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا	کرو بلکہ انظرنا کہو اور بات توجہ سے سنو
وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (البقرۃ۔۱۰۴)	یہ کافر تو عذاب الیم کے مستحق ہیں۔

یہ ہدایات صرف صحبت نبوی سے فیض اٹھانے والے مسلمانوں کے لیے خاص نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی معنویت تاقیامت تمام مسلمانوں کے لیے باقی ہے۔ اس سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ اہلِ ایمان کو ان تعبیرات سے اجتناب کرنا چاہیے جو اسلام دشمن گروہوں کی خود ساختہ ہوں اور جو بظاہر تو بے ضرر معلوم ہوتی ہوں لیکن درحقیقت ان کے پس پردہ اسلام کی توہین اور مسلمانوں کی دل آزاری مقصود ہو۔

ب۔ نماز کی بعض ہیئتیں

یہود نے اپنی نمازوں میں بعض ایسی چیزیں اختیار کر لی تھیں جن کی کوئی شرعی حیثیت

نہ تھی۔ یا جو پسندیدہ نہ تھیں کیونکہ ان سے دوران نماز خشوع وخضوع میں فرق آتا تھا۔ ان چیزوں کو انھوں نے اس طرح اپنے اوپر لازم کرلیا تھا کہ وہ ان کی پہچان بن گئی تھیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان چیزوں اوران ہیئتوں کو اختیار کرنے سے منع فرمایا تاکہ ان کی مشابہت لازم نہ آئے۔ اسی طرح صحابہ کرام نے بھی ان کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب وادیٔ مقدس طویٰ میں پہنچے تو انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے جوتے اتار دینے کا حکم دیا (طٰہٰ۔۱۲) شاید اسی حکم کی بنا پر یہود نعلین میں نماز کی ادائگی کو درست نہ سمجھتے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس شدت پسندی کی مخالفت کی اور نعلین اور خفین (چرمی موزوں) کے ساتھ ـــ اگر وہ پاک ہوں ـــ نماز پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

خالفوا الیہود فانہم لا یصلون	یہود کی مخالفت کرو۔ وہ اپنے جوتوں
فی نعالہم ولا خفافہم [1]	اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپؐ نے نعلین میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے یا اس کا استحباب بیان کیا ہے۔ بلکہ دراصل آپ کا یہ فرمان اس انداز فکر کی تردید کے لیے ہے جو یہود اختیار کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ سے دونوں طریقوں سے نماز پڑھنا مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ننگے پیر بھی اور نعلین کے ساتھ بھی دونوں طرح نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔[2]

اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ نماز کمر پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرۃؓ فرماتے ہیں:

نہی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے
ان یصلی الرجل مختصراً [3]	کہ آدمی "اختصار" کی حالت میں نماز پڑھے

"اختصار" کا مطلب امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے "دورانِ نماز کمر پر ہاتھ رکھنا"

---

[1] سنن ابی داؤد۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب الصلوٰۃ فی النعل۔ [2] سنن ابی داؤد حوالۂ سابق

[3] صحیح بخاری کتاب الاعمال فی الصلوٰۃ باب الخصر فی الصلوٰۃ، صحیح مسلم کتاب المساجد باب کراہیۃ الاختصار فی الصلوٰۃ۔

بتایا ہے۔[۱] بعض اہلِ علم سے اس کے دیگر مفہوم بھی منقول ہیں۔[۲] علماء نے اس نہی کی حکمتوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ حضرت عائشہؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ یہود ایسا کثرت سے کرتے تھے اس لیے ان کی مشابہت سے بچنے کے لیے یہ حکم دیا گیا۔ ان کے شاگرد مسروق بیان کرتے ہیں: "حضرت عائشہؓ ناپسند فرماتی تھیں کہ آدمی نماز کے دوران اپنا ہاتھ کمر پر رکھے اور فرماتی تھیں: یہ یہود کی عادت ہے۔"[۳]

یہود کی مشابہت سے بچنے کے لیے ہی صحابہ کرامؓ دورانِ نماز ہاتھ سے ٹیک لینے کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک شخص کو دورانِ نماز بیٹھے ہونے کی حالت میں بائیں ہاتھ کا ٹیک لیے ہوئے دیکھا تو فرمایا: "اس طرح نہ بیٹھو۔ اس لیے کہ یہ ان لوگوں کی ہیئت ہے جو عذاب میں گرفتار ہوئے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے فرمایا: "اس طرح وہ لوگ نماز پڑھتے ہیں جو غضبِ الٰہی کا شکار ہوئے۔"[۴]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے لٹکا کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں
عن السدل في الصلوٰة[۵]	"سدل" سے منع فرمایا ہے۔

'سدل' کی کیفیت میں علماء سے مختلف تشریحات مروی ہیں۔ خطابیؒ کہتے ہیں: "سدل یہ ہے کہ آدمی کپڑا اس حد تک لٹکائے کہ وہ زمین کو چھو لے۔ اس کے پیچھے گھمنڈ اور تکبر کا جذبہ ہوتا ہے" صاحب نہایہ نے لکھا ہے: "سدل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کوئی کپڑا (جیسے چادر وغیرہ) اس طرح اوڑھ لے کہ اس کے ہاتھ اندر رہوں اور اسی طرح وہ رکوع اور سجدہ کرے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آدمی چادر کا درمیانی حصہ سر پر رکھے اور اس کے دونوں

۱؎ سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب الرجل یصلی مختصرًا، جامع ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی النہی عن الاختصار فی الصلوٰۃ

۲؎ دیکھئے فتح الباری۔ ابن حجر عسقلانی، دار المعرفۃ بیروت ۸۹/۳ ۳؎ صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل۔ ۴؎ سنن ابی داؤد۔ کتاب الصلوٰۃ باب کراہۃ الاعتماد علی الید فی الصلوٰۃ۔

۵؎ جامع ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی کراہیۃ السدل فی الصلوٰۃ، سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی السدل فی الصلوٰۃ۔ یہ حدیث سنن نسائی اور مسند احمد میں بھی ہے۔

کنارے لٹکے ہوں۔ اگر کناروں کو لپیٹ لیا گیا ہو تو یہ سدل نہیں ہے" بیشتر علماء نے اسی مؤخر الذکر قول کو ترجیح دی ہے یا اسی کو اختیار کیا ہے[1]

بعض روایات سے اس نہی کی حکمت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مشابہت یہود سے بچنے کے لیے یہ نہی آئی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت علی نے کچھ لوگوں کو دوران نماز اس حالت میں دیکھا تو فرمایا: "یہ لوگ تو یہود معلوم ہو رہے ہیں جو اپنی عبادت گاہوں سے نکل آئے ہیں"[2] امام ترمذی نے مذکورہ بالا حدیث نبوی روایت کرنے کے بعد لکھا ہے:

> "نماز میں 'سدل' کے حکم کے سلسلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے، بعض کے نزدیک وہ مطلق مکروہ ہے وہ کہتے ہیں کہ ایسا یہود کرتے تھے۔ اور بعض کے نزدیک اس کی کراہت صرف اس وقت ہے جب نمازی کے بدن پر صرف ایک کپڑا ہو۔ لیکن اگر وہ قمیص بھی پہنے ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ احمدؒ کا قول ہے۔ ابن مبارکؒ نماز میں سدل کو مطلقاً مکروہ قرار دیتے تھے"[3]

ج۔ صوم عاشوراء

عہد جاہلیت میں قریش مکہ یوم عاشورہ (یعنی ماہ محرم کی دسویں تاریخ) کو روزہ رکھتے تھے۔ اس دن کو ان کے یہاں بڑی اہمیت اور عظمت حاصل تھی۔ اس لیے کہ اس دن خانۂ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا[4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اس دن روزہ رکھنے کا معمول تھا۔ مدینہ ہجرت کرنے کے بعد بھی آپ نے اس دن روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی حکم دیا۔ البتہ جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو آپ نے اختیار دے دیا کہ عاشورہ کا روزہ جو چاہے رکھے جو چاہے نہ رکھے[5]

---

[1] دیکھئے التعلیق المحمود حاشیہ بر سنن ابی داؤد۔ مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ۔ مطبع مجیدی کانپور ص۹۴

[2] مصنف عبد الرزاق ۱/۳۶۴۔

[3] جامع الترمذی۔ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی کراہیۃ السدل فی الصلوٰۃ۔

[4] صحیح بخاری کتاب المناسک باب قول اللہ جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام۔

[5] صحیح بخاری کتاب الصوم باب صیام یوم عاشوراء۔

مدینہ تشریف لانے کے بعد آپؐ کو معلوم ہوا کہ اس دن یہود بھی روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے ان لوگوں سے اس کا سبب دریافت فرمایا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں اس دن کو بڑی عظمت حاصل ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرقاب کیا تھا۔ اس لیے حضرت موسیٰؑ نے اس دن بطور شکرانہ روزہ رکھا تھا۔ ان کی متابعت میں ہم بھی ایسا کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "ہم موسیٰؑ کی اقتدا کے تم سے زیادہ حقدار ہیں"۔ چنانچہ آپؐ اس دن روزہ رکھتے رہے[1]

یہ مدنی زندگی کا ابتدائی زمانہ تھا۔ بعد میں جب یہود کی اسلام سے عداوت کھل کر سامنے آگئی تو آپؐ نے ضرورت محسوس کی کہ اس طریقۂ عبادت میں کچھ فرق کر دیا جائے تاکہ یہود سے مشابہت لازم نہ آئے۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے وصال سے چند ماہ قبل ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اگر اگلے سال زندگی نے وفا کی تو ہم محرم کی دسویں تاریخ کے ساتھ ساتھ نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھیں گے۔ لیکن آپؐ اپنے اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کا موقع نہ پا سکے۔ اس لیے کہ اس سے قبل ہی آپ کا وصال ہو گیا[2]۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے صحابہ کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

صوموا یوم عاشوراء و خالفوا فیه الیهود، وصوموا یوما قبله أو یوما بعده[3]	عاشورہ کے دن تم بھی روزہ رکھو مگر اس طرح کہ یہود کی مخالفت کی صورت نکل آئے۔ بایں طور کہ اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی روزہ رکھ لو۔

د۔ قبر سازی

یہود و نصاریٰ اونچی اونچی قبریں بناتے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع کیا۔ یہی نہیں بلکہ جو قبریں سطح زمین سے بلند تھیں۔ انھیں بھی ڈھا دینے کا

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الصوم۔ باب صیام یوم عاشوراء، صحیح مسلم کتاب الصیام باب صوم یوم عاشوراء

[2] صحیح مسلم حوالہ سابق

[3] مسند احمد ۲۳۱/۱

حکم دیا۔ آپؐ نے ایک مرتبہ حضرت علیؓ کو باقاعدہ اس مہم پر بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ جو قبر بھی سطح زمین سے بلند دیکھیں اسے ڈھاکر برابر کردیں یہی کام حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں ابوالہیّاج اسدی سے لیا۔[۱]

حضرت فضالہ بن عبیدؓ حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں سرزمین روم میں ایک جگہ کے گورنر تھے۔ ان کی موجودگی میں ایک شخص کا انتقال ہوا تو انھوں نے اس کی قبر سطح زمین کے برابر بنانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے[۲] مسند احمد میں ہے کہ حضرت فضالہؓ کے حکم سے روم میں مدفون تمام مسلمانوں کی قبریں برابر کردی گئی تھیں[۳]

حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں: "قبروں کا سطح زمین کے برابر رکھنا سنت ہے۔ یہود و نصاریٰ نے اونچی اونچی قبریں بنائی ہیں۔ ان کی مشابہت اختیار نہ کرو۔"[۴]

۷۔ نظافت سے لاپروائی

یہود صفائی ستھرائی کا مطلق خیال نہ رکھتے تھے۔ رہائشی علاقوں کی گندگی ان کی پہچان بنی ہوئی تھی۔ اس کے برخلاف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف ستھرا رہنے اور اپنے گھروں اور ماحول کو پاک و صاف رکھنے پر زور دیا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ گھروں میں نماز گاہ بنائی جائے اور اسے صاف ستھرا رکھا جائے اور خوشبو میں بسایا جائے۔"[۵] ایک دوسری روایت میں آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ یہود اپنے گھروں کو گندہ رکھتے ہیں۔ ان کے مشابہ نہ بنو اور اپنے گھروں کو صاف ستھرا رکھو۔ حضرت سعد سے روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

۱؎ صحیح مسلم کتاب الجنائز فصل فی تسویۃ القبر، سنن ابی داؤد کتاب الجنائز باب فی تسویۃ القبر، مسند احمد ۱/۱۳۹

۲؎ صحیح مسلم و سنن ابی داؤد حوالہ سابق   ۳؎ مسند احمد ۶/۲۱

۴؎ اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۳۴۲

۵؎ سنن ابی داؤد۔ کتاب الصلوٰۃ باب اتخاذ المساجد فی الدور، مسند احمد ۶/۲۷۹، ایسا ہی مضمون حضرت سمرۃ بن جندبؓ سے بھی مروی ہے۔ دیکھئے مسند احمد ۵/۱۷

ان اللہ طیب یحب الطیب	اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔
نظیف یحب النظافۃ کریم	نظیف ہے، نظافت کو پسند کرتا ہے۔
یحب الکرم، جواد یحب	کریم ہے عفو و کرم کو پسند کرتا ہے۔ فیاض
الجود فنظفوا افنیتکم	ہے فیاضی کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے اپنے
ولا تشبہوا بالیہود [1]	گھروں کو صاف ستھرا رکھو اور یہود کی شباہت
	نہ اختیار کرو۔

اسلام میں صرف نظافت یعنی صفائی ستھرائی ہی کی تاکید نہیں کی گئی ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر طہارت یعنی پاکی کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ قرآن ایسے لوگوں کا بانداز تحسین تذکرہ کرتا ہے جو طہارت کا خاص خیال رکھتے ہیں اور انھیں اللہ کا محبوب قرار دیتا ہے:

فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ	اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند
يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ	کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے
(التوبہ - ۱۰۸)	والے ہی پسند ہیں۔

احادیث میں بھی طہارت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

الطہور شطر الایمان [2]	طہارت نصف ایمان ہے۔

اسلام میں وضو اور غسل وغیرہ کے جو احکام و مسائل بیان کیے گئے ہیں وہ اس کے نظافت و طہارت کے اسی رجحان کو واضح کرتے ہیں [3]

۸۔ لباس اور وضع قطع

دیگر معاشرتی اور تمدنی امور کی طرح لباس اور جسمانی وضع قطع کے معاملے میں بھی اسلام چاہتا

[1] جامع ترمذی۔ ابواب الادب باب ماجاء فی النظافۃ: امام ترمذی نے لکھا ہے کہ حدیث غریب ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی خالد بن الیاس ضعیف ہے۔

[2] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب فضل الوضوء۔

[3] اس موضوع پر مولانا سید جلال الدین عمری نے بہت اچھی بحث کی ہے۔ دیکھئے صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات شائع کردہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ۔

ہے کہ وہ ایسا ہو کہ مسلمان غیر مسلموں سے ممیز رہ سکیں۔ مخلوط آبادیوں میں اس فرق و امتیاز کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص دوسری قوم کا مخصوص لباس یا ان کی وضع قطع اختیار کرتا ہے تو اس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ وہ اس قوم کی طرف طبعی میلان رکھتا ہے اور اس سے اس بات کا بھی اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے کہ مسلمان ناواقفیت کی بنا پر اس کے ساتھ غیر مسلموں کا سا برتاؤ کرنے لگیں[1] اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من تشبہ بقوم فھو منھم[2] — جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے ہے۔

اسی حکمت کے پیش نظر آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو ایسے لباس پہننے سے منع فرمایا جو یہود کی پہچان بن گئے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اگر تم میں سے کسی کے پاس دو کپڑے ہوں تو دونوں کو پہن کر نماز پڑھے۔ لیکن اگر کسی کے پاس ایک ہی کپڑا ہو تو اسے تہبند کی طرح باندھ کر نماز پڑھے یہود کی طرح اسے لپیٹ نہ لے"[3] اس حکم کا منشا یہ ہے کہ اس طرح زیادہ بہتر طریقے پر ستر پوشی ممکن ہے۔

وضع قطع کی مشابہت سے بچنے کے لیے ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خضاب لگانے کا حکم دیا تھا۔ اس لیے کہ یہود ایسا نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

ان الیھود و النصاریٰ لا یصبغون فخالفوھم[4] — یہود و نصاریٰ خضاب نہیں لگاتے۔ تم ان کی مخالفت کرو۔

---

[1] مولانا مودودیؒ نے اس موضوع پر اجتماعی اور شرعی دونوں نقطہ ہائے نظر سے اچھی بحث کی ہے۔ دیکھئے تفہیمات حصہ دوم۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ طبع پنجم ۱۹۸۱ء مضمون: لباس کا مسئلہ ص: ۲۹۶ - ۳۱۴۔

[2] سنن ابی داؤد۔ کتاب اللباس۔ باب فی لبس الشھرۃ۔

[3] سنن ابی داؤد۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب من قال یتزر بہ اذا کان ضیقا۔ اس روایت میں راوی کو شبہ ہے کہ یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یا حضرت عمرؓ کا۔ لیکن حضرت جابرؓ کی روایت اور دیگر روایتوں سے یہ بات قطعی ہو جاتی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے۔

[4] صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل۔ صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب فی مخالفۃ الیھود فی الصبغ۔

عدم مساوات

یہود کا ایک جرم یہ تھا کہ انھوں نے معاملات کے دو پیمانے بنا رکھے تھے۔ اصحاب جاہ و منصب اور اشراف کے ساتھ وہ ایک طرح کا برتاؤ کرتے اور عام لوگوں کے ساتھ دوسری طرح کا۔ عہدِ نبوی کے ایک واقعہ سے ان کے اس دوہرے معیار پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ یہود میں ایک مرد اور ایک عورت زنا میں ملوث ہوئے ان میں سے بعض لوگوں نے کہا۔ چلو اس نبی کے پاس چلتے ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ رجم سے کچھ ہلکا فیصلہ سنائیں۔ اگر ایسا ہوگا تو ہم ان کے فیصلہ کو قبول کرلیں گے اور اس طرح عند اللہ معذور ہوں گے۔ وہ لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے زنا کے اس معاملہ میں فیصلہ چاہا۔ آپؐ نے دریافت کیا: توریت میں اس کا کیا حکم ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا: ایسا کرنے والے کے چہرے پر کالک پوت دی جاتی ہے۔ گدھے پر سوار کرکے گھمایا جاتا ہے اور کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک نوجوان خاموش رہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قسم دے کر باصرار معلوم کیا تو اس نے جواب دیا: توریت میں تو ایسا کرنے والے کی سزا رجم ہی بیان ہوئی ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "پھر تم لوگوں نے حکم الٰہی کو کیوں بدل دیا؟" اس نوجوان نے جواب دیا: "ایک مرتبہ شاہی خاندان کے ایک فرد نے زنا کیا تو اس پر حد رجم نہیں جاری کی گئی۔ کچھ دنوں کے بعد ایک دوسرے شخص نے زنا کیا تو جب لوگوں نے اسے رجم کرنا چاہا تو اس کی قوم کے لوگ درمیان میں آگئے اور انھوں نے کہا کہ اس شخص کو اس وقت تک رجم نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ شاہی خاندان کے اس فرد پر بھی یہ حد جاری نہ ہو۔ اس وقت لوگوں نے مل بیٹھ کر یہ ہلکی سزا تجویز کرلی"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تو وہی حکم دوں گا جو توریت میں موجود ہے۔" چنانچہ ان دونوں کو رجم کیا گیا۔[1]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کے اس رویّہ کی سخت مذمت کی ہے اور تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنے اور سب کو ایک نظر سے دیکھنے کا حکم دیا

---

[1] سنن ابی داؤد۔ کتاب الحدود باب فی رجم الیہودیین۔
۴۴۵

ہے۔عہد نبوی میں قبیلۂ بنو مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں پکڑی گئی۔قرآن نے اس جرم کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔قبیلۂ بنو مخزوم کو قبائل قریش میں عظمت وسیادت کا مقام حاصل تھا۔اس لیے لوگوں کو خیال ہوا کہ اس قبیلہ کی ایک عورت کا چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹا جانا اس قبیلہ کی رسوائی اور بدنامی کا باعث ہوگا۔اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سزا معاف کر دینے کی سفارش کی جائے۔حضرت اسامہؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید کے بیٹے اور آپؐ کے منظور نظر تھے۔ان کو لوگوں نے سفارشی بنا کر آپؐ کی خدمت میں بھیجا۔انھوں نے جب خدمت میں حاضر ہو کر مدعا عرض کیا تو آپؐ نے بہت ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا:"اے اسامہ کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کرنے آئے ہو؟" آپؐ نے مزید فرمایا:

انما هلك من كان	تم سے پہلے کے لوگ اس لیے ہلاک ہوئے
قبلكم انهم كانوا يقيمون	کہ اگر معمولی درجے کا آدمی کوئی جرم کرتا
الحد على الوضيع ويتركون	تو اس پر حد نافذ کرتے تھے۔لیکن اگر وہی
على الشريف، والذى	جرم کوئی اعلیٰ حیثیت کا مالک شخص کرتا تو اسے
نفسى بيده لو فاطمة فعلت	چھوڑ دیتے تھے اس ذات کی قسم جس کے
ذلك لقطعت يدها [1]	قبضے میں میری جان ہے۔اگر فاطمہ یہ جرم
	کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کٹوا دیتا۔

دوسری روایت میں صراحت ہے کہ آپؐ نے "من كان قبلكم" کی جگہ "بنو اسرائیل" فرمایا تھا[2]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحدود باب اقامۃ الحدود علی الشریف والوضیع۔
[2] صحیح مسلم کتاب الحدود باب قطع السارق الشریف وغیرہ۔